24

پورے جوش اور عزم و ہمّت کے ساتھ دین کی خدمت کرنے اور اسے دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرو

(فرمودہ 13 راگست 1948ء بمقام کوئٹہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مجھے آج کچھ حرارت اور سر درد کی شکایت ہے جس کی وجہ سے مَیں زیادہ دیر بول نہیں سکتا۔ مگر مَیں جماعت کو مختصر الفاظ میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ گو یہ عام قاعدہ ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کا کوئی مامور دنیا میں آتا ہے لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے حقیر اور ذلیل خیال کرتے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں جس مامور نے مبعوث ہونا تھا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی اصلاح کے لیے دنیا میں آنا تھا اس کے متعلق خصوصیت سے احادیث میں یہ خبر دی گئی تھی کہ اس سے اور اس کی جماعت سے نفرت کی جائے گی اور لوگ ان کی شدید مخالفت کریں گے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اگر بعض لوگ جماعت احمدیہ کی تعریف کر دیتے ہیں یا کسی ایسی بات پر جو ان کے عقائد کے موافق ہو پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں تو ہماری جماعت کے دوست خوش ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی ہے حالانکہ یہ کامیابی نہیں ہوتی بلکہ ایک

ابتلا ہوتا ہے، آزمائش اور امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ سچی بات جب بھی کہی جائے گی سننے والے کو وہ کڑوی لگے گی۔ اگر وہ ہماری کسی بات کی تعریف کر دیتے ہیں یا اس پر پسندیدگی کا اظہار کر دیتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ ہمارے عقائد کو صحیح ماننے لگ گئے ہیں۔ بلکہ وہ اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ان کی کسی بات کی تصدیق ہوگئی ہے۔

احادیث میں ایک واقعہ آتا ہے جو میرے نزدیک یہ کفار کی ایک سازش کا نتیجہ تھا مگر اس میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب صحابہؓ کا ایک حصہ کفار کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلا گیا تو کفار نے انہیں واپس بلانے کے لیے ایک فریب کیا۔ اور وہ اس طرح کہ ایک دن جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سورہ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے کسی کافر نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ آپ کی پیٹھ کے پیچھے جا کر یہ فقرات پڑھ دیئے کہ

تِلْکَ الْغَرَانِیقُ الْعُلٰی وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی 1

یعنی یہ بت بھی بڑا بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور قیامت کے دن ان بتوں کی شفاعت بھی سنی جائے گی۔

یہ فقرات پڑھنے والے نے اس طرح پڑھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ آیاتِ قرآنیہ ہیں جو آپ نے تلاوت کی ہیں اور مشہور کر دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات بھی قرآن کریم میں بڑھا دی ہیں۔ یہ ایک منصوبہ تھا جو ایسے وقت پر کیا گیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سجدہ کی آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ اس کے بعد جب آپ نے سجدہ کیا تو مشرکین بھی آپ کے ساتھ سجدہ میں چلے گئے اور بعد میں انہوں نے مشہور کر دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ دینِ توحید سے توبہ کر لی ہے اور اقرار کر لیا ہے کہ ان بتوں کی شفاعت بھی قبول ہوگی۔ اِس پر سارے خوش ہوگئے۔ اس لیے کہ اس واقعہ سے ان کی ایک بات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک پرانا طریق چلا آ رہا ہے۔ آجکل ہی ایجاد نہیں ہوا۔ دراصل انسانی فطرت کمزور ہوتی ہے اس لیے انسان تھوڑی سی تعریف پر خوش ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ خدمتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ چلو میری ایک بات کی تصدیق ہوگئی۔ پس جن باتوں میں اتحاد و اتفاق پایا جاتا ہے ان پر ہر ایک خوش ہو جایا کرتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اب رستہ کھل گیا ہے کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں

بلکہ دوسرا شخص صرف اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اس کی ایک بات کی تصدیق ہو گئی ہے۔

ہر انسان میں خواہ وہ کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو کچھ اچھی باتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ایک دہریہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں بھی بعض اچھی باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ محنت کرتا ہے، خدمتِ خلق کرتا ہے مصیبت زدوں کی امداد کرتا ہے، بیواؤں کی خبر گیری کرتا ہے اور یتیموں کی نگہداشت کرتا ہے مگر ہوتا دہریہ ہی ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوتا۔ غرض دنیا میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں پایا جاتا جس میں کوئی نیکی بھی نہ ہو بلکہ کوئی دہریہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں کوئی نیکی نہ پائی جاتی ہو۔ دنیا کے بد سے بدتر انسان میں بھی کوئی نہ کوئی نیکی ضرور پائی جائے گی حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں بھی بعض اچھی باتیں پائی جاتی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب طائف میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو طائف والوں نے آپ کو طرح طرح کی ایذائیں دیں، دکھ دیئے، پتھراؤ کیا اور آپ کے پیچھے کُتّے چھوڑ دیئے۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو مکہ والوں کے دستور کے مطابق آپ دوبارہ شہر میں داخل ہونے کے مجاز نہیں تھے کیونکہ آپ ایک دفعہ مکہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور مکہ والوں کے اصول کے مطابق آپ وہاں کے شہری نہیں رہے تھے۔ اب آپ کے سامنے یہ سوال تھا کہ آپ مکہ میں دوبارہ کس طرح داخل ہوں۔ آپ نے شہر کے ایک رئیس کے پاس جو آپ کا شدید ترین دشمن تھا پیغام بھجوایا کہ مَیں شہر میں داخل ہونا چاہتا ہوں کیا تم میرے لیے اعلان کرو گے کہ مجھے شہر میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔؟ اُس وقت مکہ میں کوئی خاص قانون رائج نہیں تھا، کوئی پارلیمنٹ وغیرہ نہیں تھی۔ کوئی رئیس اگر اعلان کر دیتا کہ فلاں شخص کو میری طرف سے شہر میں داخل ہونے کی اجازت ہے تو عرب کے دوسرے سردار اسے مان لیتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اس رئیس کو ملا تو اس نے اپنے پانچوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ ہمارے دشمن ہیں مگر وہ ہماری امان میں مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ ہم امان نہیں دیتے تو اس میں ہماری ہتک ہو گی۔ لیکن اگر ہم ان کو امان دے دیں تو شہر میں ان کی بہت مخالفت ہے اور اس مخالفت کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ تم پر بھی کوئی حملہ کر دے۔ اس لیے تم سب ہتھیار پہن لو اور آپ کے آگے آگے چلو تا کہ کوئی دشمن آپ کو ایذا نہ پہنچا سکے۔[2] دیکھو یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی خوبی تھی جو آپ کے شدید ترین دشمن میں پائی

جاتی تھی۔ اس رئیس کے پانچوں بیٹے اپنی ننگی تلواریں لے کر آپ کے آگے آگے چلے اور آپ کو اپنے گھر چھوڑ آئے۔3

اس قسم کے کئی اَور واقعات بھی پائے جاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ کی ایک بیٹی پیچھے مکہ میں رہ گئی تھی۔ آپ نے اپنی بیٹی کو مدینہ بلایا اور اسے لینے کے لیے کچھ آدمی بھیجے۔ جب وہ آدمی آپ کی بیٹی کو لے کر مدینہ جانے لگے تو وہ حاملہ تھیں۔ کسی خبیث نے آپ کے اونٹ کی ہودج کی رسیاں کاٹ دیں جس کے نتیجہ میں وہ اونٹ سے نیچے گر پڑیں اور انہیں چوٹیں آئیں جن کی وجہ سے مدینہ جا کر آپ کا حمل بھی گر گیا اور ایک مہینہ کے بعد انہی چوٹوں کی وجہ سے آپ وفات پا گئیں۔ وہ شخص بھاگتا ہوا خانہ کعبہ میں گیا۔ مکہ کے تمام سردار اور رؤساء وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے وہاں جا کر ان کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ کہا کہ مَیں نے کیا ہی اچھا کام کیا ہے۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی زینب مدینہ جا رہی تھیں کہ مَیں نے اس کے ہودج کی رسیاں کاٹ دیں جس کی وجہ سے وہ اونٹ سے نیچے گر گئیں اور انہیں بہت سے چوٹیں آئیں۔ اس مجلس میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کے ناک اور کان کٹوائے تھے اور آپ کا پیٹ چاک کروایا تھا۔ جب اس نے یہ بات سنی تو وہ غصہ میں آ کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو نے ایک عورت پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ عرب ہمیشہ طاقتور پر ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے دشمن ہی سہی مگر تُو نے ان کی بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی کیسے جرأت کی۔ تُو نے تو ہماری ناک کاٹ دی ہے۔ تمہیں اپنے فعل پر شرم کرنی چاہیے اور بجائے اس کے کہ تم اپنے اس کارنامہ کو فخریہ طور پر بیان کرو تمہیں تو کسی کو اپنا منہ بھی نہیں دکھانا چاہیے۔ یہ کتنی اعلیٰ درجہ کی خوبی تھی جس کا ہندہ جیسی شدید دشمن نے اظہار کیا۔ پس کسی کافر اور بے ایمان یا شدید سے شدید ترین دشمن کے متعلق بھی یہ خیال کر لینا کہ اس کے اندر کوئی خوبی نہیں پائی جاتی غلط ہے۔

مشرقی پنجاب میں ایک ڈاکو تھا جو اپنے علاقہ میں ڈکیتی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ لوگ اُس سے بہت خوف کھاتے تھے۔ عورتیں اُس کا نام سن کر بے ہوش ہو جایا کرتی تھیں۔ ہم نے اس کے متعلق اس کے گاؤں والوں سے خود سنا ہے کہ وہ غریبوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا بلکہ ہمیشہ ان کی خبر گیری

کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت جا رہی تھی۔ اس نے اُس عورت سے کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے نکال دو۔ اس عورت کو پتہ نہیں تھا کہ وہ فلاں مشہور ڈاکو ہے ورنہ وہ اسے دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جاتی۔ جب اس ڈاکو نے اس عورت سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے نکال دو۔ تو اس عورت نے کہا بیٹا! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنی ماں پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔ مَیں تمہاری ماں کے برابر ہوں اور پھر تم مجھ پر اپنا ہاتھ اٹھاتے ہو۔ اس ڈاکو نے کہا اچھا اب تُو نے مجھے اپنا بیٹا کہا ہے مَیں بھی اب تمہارا بیٹا ہی بن کر رہوں گا۔ اس کے بعد وہ جب بھی کوئی چوری کرتا تھا تو اس سے اس عورت کو کچھ نہ کچھ نذرانہ دے کر آتا تھا اور اس کی بہت خدمت کیا کرتا تھا۔ غرباء کو اُس سے اِس قدر محبت تھی کہ جب وہ گرفتار ہوا اور پولیس اُسے اسٹیشن پر لے گئی تو غرباء وہاں کثرت سے جمع ہو گئے اور انہوں نے اُس کی گرفتاری پر رونا شروع کر دیا۔ اس لیے کہ وہ غرباء کی خدمت کیا کرتا تھا اور وہ اس دن اپنے محسن کی گرفتاری پر آنسو بہا رہے تھے۔ وہ ڈاکو تھا، ظالم تھا مگر یہ نہیں کہ اس کے اندر کوئی بھی خوبی نہیں تھی۔ گندے سے گندا فرد ہی کیوں نہ ہو، گندی سے گندی قوم ہی کیوں نہ ہو اُس کے اندر کچھ نہ کچھ نیکی ضرور پائی جاتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ہماری کسی بات کی تعریف کر دے اور ہم سمجھ لیں کہ وہ برائی کو چھوڑ بیٹھا ہے اور اس بات پر ہم خوش ہو جائیں تو یہ ہماری نادانی ہوگی۔

ہماری جماعت کو ہمیشہ احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ جب تک وہ اُس صداقت کو پھیلا نہیں لیتی جو دنیا سے مٹ چکی ہے اُس وقت تک اسے صبر سے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ کسی معمولی سی اتحاد و اتفاق کی بات پر اگر کوئی پسندیدگی کا اظہار کر دے اور ہم اس پر خوش ہو کر اپنے فرض کی ادائیگی میں سست ہو جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ بس ہم کامیاب ہو گئے ہیں تو یہ حماقت کی بات ہوگی۔ یہ کوئی کامیابی نہیں ہے۔ دوسرا آدمی اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ اس نے ہماری بات مان لی ہے اور احمدیت کو سچا جان لیا ہے بلکہ وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ اس کی بات مان لی گئی ہے۔ پس جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اشاعتِ دین میں صَرف کرنے کی کوشش کریں۔ ہمارے سپرد بہت بڑا کام ہے جسے ہم نے سرانجام دینا ہے۔ دنیا کی اڑھائی ارب آبادی ہے جس کی ہم نے اصلاح کرنی ہے۔ پھر ہم نے ان کے جسموں پر حکومت نہیں کرنی بلکہ ہمارے سامنے ان کے دلوں کی اصلاح کا سوال ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ سالہا سال کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ دوسرے سے اپنی بات نہیں منوا سکتے۔

باپ بیٹے کو اپنی بات نہیں منوا سکتا، بیوی خاوند کو اپنی بات نہیں منوا سکتی، خاوند بیوی کو اپنی بات نہیں منوا سکتا، بھائی بھائی کو اپنی بات نہیں منوا سکتا حالانکہ ان کے درمیان قریب ترین رشتہ ہوتا ہے۔ پاس پاس رہتے ہیں جب چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اپنے قریبی رشتہ دار سے نہیں منوائی جا سکتی تو وہ ساری دنیا سے کیسے منوائی جا سکتی ہے۔ وہ دنیا جو ہمارے ساتھ نہیں رہتی ہماری رشتہ دار بھی نہیں۔ ہم اس کی ساری زبانوں کے واقف بھی نہیں۔ اعتقادی، عملی، جذباتی اور فکری ہر لحاظ سے وہ ہم سے مختلف ہے۔ پھر اس میں ہر قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ کیا اقتصادی، کیا سیاسی اور کیا مذہبی ہم نے ان سب خرابیوں کو دور کرنا ہے۔ پھر وہ ہماری مخالف ہے۔ ہمارے پاس نہیں بیٹھتی بلکہ ہم سے دور بھاگتی ہے۔ ہم نے اس دنیا کی اصلاح کرنی ہے۔ اس کے لیے ہمیں کتنی محنت کی ضرورت ہے۔ کتنی بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ پس مخالفت کے کم ہو جانے پر مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ لوگوں کو سمجھانے اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس دنیا میں اگر کسی سے آپ کی چالیس پینتالیس سال تک دوستی رہتی ہے اور اگلے جہان میں وہ جہنم میں چلا جاتا ہے تو یہ کوئی دوستی نہیں کہلا سکتی۔ حقیقی دوستی یہی ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ جنت میں ہو۔ پس سنجیدگی اور پختہ عزم کے ساتھ کام کرو۔ جب تک اس اہم کام کے متعلق آپ کے اپنے نفسوں میں سنجیدگی پیدا نہیں ہوتی دوسروں پر آپ کا کوئی نیک اثر نہیں پڑ سکتا۔

اِس وقت زمانہ کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور مسلمانوں کے روحانی بچاؤ کی اب یہی صورت رہ گئی ہے کہ وہ ایک ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں اور سوائے احمدیت کے اَور کسی ذریعہ سے مسلمان ایک ہاتھ پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ آخر دنیا کے تمام ممالک کسی ایک آدمی کے ہاتھ پر کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ یہ تغیر اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب کوئی کہے کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے۔ پھر جس کی سمجھ میں اس کی بات آجائے گی وہ اس کے ہاتھ پر اکٹھا ہو جائے گا ورنہ تمام ملکوں اور حکومتوں کے اپنے اپنے پروگرام ہوتے ہیں اور وہ کسی دوسرے کی غلامی اختیار نہیں کر سکتے۔ پس جب تک مختلف قومیتیں ایک آواز کے تابع نہیں ہو جاتیں۔ اُس وقت تک تمام مسلمانوں کا ایک ہاتھ پر اکٹھا ہونا مشکل ہے۔ یہ اختلاف اسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے جب کوئی کہے کہ مَیں خدا کی طرف سے ہوں اور تمام لوگ قطع نظر اس سے کہ وہ مصری ہوں یا ایرانی، عربی ہوں

یا افغانی اس کے ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں۔ تب باوجود مختلف ممالک میں رہنے اور مختلف اقوام سے تعلق رکھنے کے ان میں اتحاد ہوگا اور وہ اسلام کی ترقی کے لیے کوشش کرتے چلے جائیں گے۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور احمدیت کو بڑھانے کی کوشش کرو۔ آپ لوگ سلسلہ کی اشاعت میں کوتاہی کر کے اپنی کامیابی کو پیچھے ڈال رہے ہیں اور ان برکات سے جن کے آپ مستحق ہو سکتے ہیں اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں۔ سو کوشش کرو کہ اسلام دنیا پر جلد غالب آ جائے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا 4 کا نظارہ نظر آنے لگے"۔

(الفضل 22 دسمبر 1961ء)

1: تفسیر البغوی (معالم التنزیل) جلد 4 صفحہ 125۔ سورۃ الحج آیت 52 اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ...... مطبع دارالفکر بیروت 1985ء

2: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 20۔ مطبع مصر 1936ء

3: طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 212 مطبوعہ بیروت 1985ء

4: النصر:3